یورپ پر اسلامی تمدن و ثقافت کے اثرات

محمود احمد غازی

"اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، جس خاک میں جس قدر زیادہ قابلیت تھی اسی قدر زیادہ فیض یاب ہوئی۔ عرب، ایران، افغانستان، ہند، ترکستان، تاتار، مصر، شام، روم، اندلس، یونان، صقلیہ، سب اس کے حلقہ میں آئے لیکن قبول اثر میں سب یکساں نہ تھے، فرق مراتب تھا اور فرق مراتب کی حیثیتیں بھی مختلف تھیں"[1] ہر قوم اور ہر مقام نے اسلام سے اثر قبول کیا، بعض نے کم بعض نے زیادہ، کئی ممالک اس حد تک اسلام کے زیر اثر آئے کہ اپنی اصلیت بھول کر پوری طرح اسلامی رنگ میں رنگ گئے جیسے عراق، شام، مصر، ترکی وغیرہ، بعض دوسرے علاقوں نے اس حد تک تو اثر قبول نہیں کیا تاہم انھوں نے اسلام اور اس کی تہذیب کے صرف وہ پہلو جو ان کے مخصوص مزاج، عادات و اطوار اور تہذیب و تمدن کے لئے قابل قبول ہو سکتے تھے، قبول کر لئے۔ زیر نظر مضمون میں ہم ان اثرات، رجحانات اور میلانات کا ایک مختصر سا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو یورپ نے اپنی تمدنی اور ثقافتی زندگی میں اسلام اور مسلمانوں سے اخذ کئے۔

ساتویں صدی شمسی سے بارھویں صدی شمسی تک کا زمانہ جسے اہل یورپ اپنی تاریخ کا ازمنہ متوسط قرار دیتے ہیں وہ زمانہ ہے جب عرب مسلمان علم و عمل کی تمام نعمتوں سے مستفید ہو رہے تھے انہیں ایک حقیقی اور پر مسرت زندگی کی آسائشیں زیادہ سے زیادہ حاصل تھیں اور ہر ملک کے متمدن و غیر متمدن باشندے مسلمانوں کی سیاسی، معاشی، معاشرتی، تمدنی اور ثقافتی عظمت و سطوت سے متاثر و خائف تھے۔ یہی وہ وقت ہے جب اہل یورپ بالکل وحشی، جاہل، غیر مہذب اور غیر متمدن تھے، نہ وہ آرام و راحت کے لطف سے آشنا تھے اور نہ انہیں زندگی کی دوسری آسودگیوں سے کچھ واقفیت تھی۔ وہ امن و امان سے نابلد

اور نظم و ضبط یا تنظیم سے بے بہرہ تھے۔ یورپی نشأتِ ثانیہ سے قبل یورپ میں کوئی ایسا بادشاہ نہ گزرا تھا، جو عدل و انصاف اور قیامِ امن میں اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائضِ منصبی سے واقف ہو۔ وہاں کے باشندے زندگی کے ہر شعبے میں وحشت و بدویت سے زیادہ قریب تھے۔ یورپ بھر میں جہالت عام تھی۔ اوہام و خرافات لوگوں کے دلوں اور ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے۔ بیماریاں اور وبائیں عام تھیں لیکن ان کے علاج کے لئے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ علم طب، ناکارہ سمجھ کر ترک کر دیا گیا تھا۔ کسی جگہ وبا پھوٹ پڑتی تو صحت و صفائی، علاج و معالجہ اور دیکھ بھال اور تیمار داری کی طرف توجہ دینے کے بجائے وہ اپنے احبار و رہبان اور علماء و مشائخ کی ہدایات کے مطابق عجیب و غریب اور لا یعنی رسوم ادا کرتے، تعلیم و تعلم اور تہذیب و تمدن سے متعلق یہ اثرات صرف نچلے طبقے ہی پر حاوی نہ تھے بلکہ اونچے طبقے ہی پر حاوی نہ تھے بلکہ اونچے طبقے کے امراء، جاگیردار، حکام، پادریوں اور نوابوں کی بھی کم و بیش یہی کیفیت تھی۔ بڑے بڑے قائد اور رہنما اَن پڑھ تھے۔ انگریزوں کا بادشاہ شاہ جان جس نے انگلستان کی دستوری تاریخ کا مشہور ترین منشورِ اعظم MAGNA CARTA جاری کیا بالکل اَن پڑھ تھا اور اپنے دستخط بھی نہ کر سکتا تھا چنانچہ اس نے منشورِ اعظم بھی اپنی مہر لگا کر جاری کیا تھا۔ یورپ کے بادشاہوں، امراء اور دوسرے سرداروں کا مقصدِ زندگی محض کھانا پینا، شراب نوشی، جنگ جوئی، شکار اور جنس پرستی تھا۔ وہ لوگ فطرۃً نہایت اجڈ، تند خو اور درشت مزاج ہوتے تھے۔ ظلم، تعدّی، سرکشی اور بربریت میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ صلیبی جنگوں میں یورپ کی متحدہ افواج کا سپہ سالارِ اعلیٰ رچرڈ جو یورپی تاریخ و ادب میں شیر دل LION-HEARTED کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور یورپ میں شجاعت کی مثال سمجھا جاتا ہے نہایت تند خو اور خونخواری کی حد تک ظالم تھا۔ اس نے دو ہزار پانچ سو بے گناہ مسلمانوں کو صرف مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کر ڈالا۔ یورپ کے فاتحین اپنی مفتوحہ اقوام کے نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں تک کی آنکھیں نکال لیتے تھے ناکیں کاٹ لیتے تھے۔ اس قسم کی سنگدلی اور بربریت یورپ میں کم و بیش پندرھویں صدی شمسی تک قائم رہی۔[۲]

انگلستان کی سرزمین میں ساتویں صدی سے دسویں صدی تک متمدن زندگی کے بالکل ابتدائی آثار بھی ناپید تھے، یہ سرزمین بالکل مجہول الحال اور بے مایہ علاقہ تھا جس کا دوسرے ملکوں سے کوئی تعلق، ربط ضبط اور میل جول نہ تھا۔ انگلستانی باشندے نشیبی زمینوں میں پتھروں اور کھپچیوں کے مکانات بناتے

اور اوپر سے مٹی تھوپ دیتے، بیشتر یہ مکانات تنگ و تاریک اور غیر ہوادار ہوتے تھے۔ قبیلہ کا سردار اپنے جملہ متعلقین کے ساتھ جھونپڑیوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔

تقریباً پندرھویں صدی شمسی تک تہذیب و تمدن کے اعتبار سے یورپ کی کم و بیش یہی حالت رہی پندرھویں صدی میں طباعت کی ایجاد کے بعد ہی یورپ نے جہالت کے گڑھے سے نکلنا شروع کیا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ بعض مسلمان تاجر عنبر کی تلاش میں شلشویق (موجودہ ڈنمارک میں ایک مقام) تک گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں کے بارے میں ان کا بیان ہے کہ وہ بالکل وحشی ہیں، ننگے رہتے ہیں اور چمڑے کے ٹکڑوں سے ستر پوشی کر لیتے ہیں۔ مشہور فرانسیسی مؤرخ موسیو گستاؤلی بان نے اپنی کتاب تمدن عرب (ترجمہ مولوی سید علی بلگرامی) میں یورپ کی تمدنی پستی اور مسلمانوں کی برتری کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ "اگر ہم یورپ کی نویں صدی عیسوی کی حالت کو جب کہ مسلمانوں کا تمدن اندلس میں اعلیٰ درجہ کی ترقی پر تھا دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے علمی مراکز بڑے بڑے بے ڈھنگے قید خانے تھے جہاں ہمارے امراء اپنی نیم وحشی حالت میں رہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ انہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ عیسائیوں میں سب سے زیادہ باعلم وہ بیچارے جاہل راہب تھے جو اپنے وقت کو خانقاہوں کے کتب خانوں سے یونان و روم کی پرانی تصانیف کو نکال کر ان کو چھیلنے اور ان چرمی ورقوں پر اپنی مہمل مذہبی تصانیف لکھنے میں صرف کرتے تھے۔"

یورپ کے اس تاریک دور میں مسلمانوں کی تمدنی حالت

ساتویں اور آٹھویں صدی شمسی سے لے کر چودھویں صدی شمسی تک کی ہفت صد سالہ مدت اسلامی تہذیب و تمدن کی توسیع و ترقی کا دور ہے۔ اس مدت میں مسلمانوں نے بہت سی اقوام کو فتح کیا اور ان پر اس شدت سے اپنا تمدنی اثر ڈالا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں نے مصر، شام، ایران، شمالی افریقہ اور اندلس وغیرہ کے مفتوحین سے باہمی شادیاں کیں۔ یہ ایک ایسا افتخار اور اعزاز تھا جو ان ممالک کے باشندوں کو اپنے سابقہ فاتحین کے ہاتھوں کبھی نصیب نہیں ہوا تھا، اسلام نے ان لوگوں کو نہ صرف سیاسی آزادی سے بہرہ ور کیا بلکہ انہیں ذہنی و فکری آزادی سے بھی مالا مال کر دیا۔ اسلام نے ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم کی انقلاب آفریں تعلیم کے ذریعہ انسانی ذہن و فکر کو پادریوں، مذہبی اجارہ داروں اور پجاریوں کی گرفت سے آزاد کر دیا۔ ان مفتوحہ ممالک کے پشتہا پشت کے غلام باشندوں پر جنہیں انسانی زندگی کو اپنی حقیقی صورت میں بسر کرنے کا کبھی موقعہ نہ ملا تھا۔ اسلام کی

بخشی ہوئی آزادی نے حیرت انگیز اثر کیا۔ دین، سائنس، ادب اور دیگر علوم وفنون میں آج تک ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔

اس زمانے کی اسلامی یونیورسٹیاں اپنے جامع نصاب تعلیم، غیر متعصبانہ طرز عمل، اور ہمہ گیر اشاعت علوم کے باعث دنیائے علوم وفنون کی مسلمہ مراجع تھیں۔ جرمن پروفیسر جوزف ہیل نے اپنی کتاب DIE CULTUR DER URABER میں ان جامعات کے بارے میں لکھا ہے "ان یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم کو سب سے بڑا مرتبہ حاصل تھا، کیونکہ اسی دین نے پہلے پہل کسب علوم کی راہیں کھولی تھیں۔ معارف قرآن، علوم حدیث اور علوم فقہ کو ان درس گاہوں میں امتیازی درجہ حاصل تھا۔۔۔۔ اسلامی یونیورسٹیوں نے دوسرے دنیوی علوم کو حقارت سے نہ دیکھا اور نہ انہیں ناقابل التفات قرار دے کر رد کیا، بلکہ ان علوم کو اپنی مقدس درس گاہوں یعنی مسجدوں میں جو دینیات کے لئے مخصوص تھیں جگہ دی۔۔۔"[۳۰]

ان اسلامی جامعات کے اساتذہ اپنے متعلقہ علوم وفنون میں ماہر اور تقریباً دیگر مروجہ علوم وفنون سے باخبر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے بہت سے مسلمان علماء امام غزالی، رازی، ابن سینا، فارابی، ابن خلدون، محی الدین ابن عربی، ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن رشد، عمر خیام وغیرہ اپنے زمانے کے تقریباً تمام مروجہ علوم کے ماہر تھے، چنانچہ آج ہمیں فلسفہ، تاریخ، سیاسیات، عمرانیات، معاشیات، ریاضی، طب، فلکیات، مابعد الطبیعہ، تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، قانون اور دوسرے بہت سے علوم میں ان علماء کی مستقل تصانیف اور نظریات وآراء ملتی ہیں۔ یہ انہی مسلمان معلمین کے علمی ذوق کا فیض ہے کہ آج مغرب گہوارۂ علم وفن بن گیا ہے۔ جس وقت عیسائی دنیا علوم قدیمہ کو حضرت عیسٰیؑ کے نام پر تباہ کر رہی تھی مسلمان تلاش علم میں مصروف تھے اور نت نئے علمی وفنی انکشافات کر رہے تھے، عیسائیوں نے کتب خانۂ اسکندریہ کو جلا ڈالا اور نہ جانے کتنے علماء اور فلاسفہ کو محض علم وفکر کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پادریوں نے یونانی اور رومی علوم کے ذخائر علانیہ نذر آتش کر ڈالے تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے علوم کیمیا، طبیعیات، جغرافیہ، طب، فلکیات، تاریخ، سیاسیات، فلسفہ وغیرہ کی ترقی اور ان علوم میں اپنی کوششوں سے جو بیش بہا اضافے کئے ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں آرٹ کو ترقی کی جن اعلیٰ منازل تک پہنچایا اس کے نمونے آج بھی فن شناسوں سے داد تحسین وصول کر رہے ہیں دنیا آج تک اس سے بہتر تو کیا اس کی نظیر بھی پیش

کرنے سے قاصر ہے۔ اسلامی فن تعمیر پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ قرطبہ کی مساجد، الحمراء کے محلات، تاج محل، شاہی مسجد، قیروان کے گنبد، بیت المقدس، جامع دمشق اور ان جیسی بے شمار عمارتیں اسلامی طرزِ تعمیر کے جیتے جاگتے نمونے ہیں۔ محمد مارماڈیوک پکتھال اپنے خطبات مدراس CULTURAL SIDE OF ISLAM میں لکھتے ہیں: "مساجد، محلات، قلعے، مکاتب، شفاخانے، تفریح گاہیں اور باغات کس چیز کی کمی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اسلامی فن تعمیر نے شیدایانِ حُسن وجمال کے لئے ایک ہمہ گیر و لازوال جنت مہیا کر دی۔ اپنے عروج کے دلوں میں مسلمان حسن وجمال کے دلدادہ تھے۔ نقشہ کی خوبی، ڈیزائن کی عمدگی اور رنگوں کی کشش سبھی کچھ ان کے پیش نظر تھا۔ بت پرستوں کی طرح صورتیں بنانے کے بجائے انھوں نے حسنِ فطرت پر زیادہ توجہ دی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سادگی و پرکاری، رنگینی وپختگی، نزاکت ورعنائی اور حسن وشوکت یہی اسلامی فنِ تعمیر کی امتیازی صفات ہیں۔ اس تیرہ خاکدان کو عرب خلفاء، ترک سلاطین اور مغل شاہنشاہوں سے بڑھ کر فن تعمیر کے مربی، باغات کے شیدائی اور مناظر کے دلدادہ کبھی نصیب نہیں ہوئے۔

اسلامی تہذیب کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی رہا کہ اس نے بڑی بڑی تہذیبوں کو بلا کسی جبر و اکراہ کے نہایت سرعت سے اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ مصر کو لیجئے جو بظاہر ایک مستقل اور قدیم تہذیب کا مالک تھا لیکن حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی فتح مصر کے ایک سو سال کے اندر اندر یہی ملک اپنی زبان، لباس اور تقریباً سات ہزار سالہ قدیم تہذیب کو بھلا کر ایک نئے مذہب، نئی زبان اور نئی تہذیب میں منتقل ہو گیا۔ یہی حال دوسرے ممالک کا ہے۔ عربوں نے جو ثقافتی اثر مصر پر ڈالا وہی افریقہ، شام، ایران، عراق ہندوستان، ترکستان وغیرہ سے آگے بھی جا پہنچا جہاں وہ محض گزرے تھے یا تجارت کے لئے پہنچے تھے، جیسے انڈونیشیا، جزائر فلپین، چین وغیرہ، اسلامی تہذیب وتمدن کا یہ رخ بھی بڑا عجیب وغریب ہے کہ جب اس کے اوّلین حاملین یعنی عرب مسلمان کمزور پڑ گئے تو خود ان کے مفتوحین ایرانیوں، مغلوں، اور ترکوں نے اس تہذیب وتمدن کی حفاظت کا بیڑا اٹھا لیا اور دنیا میں اس کی اشاعت وسرپرستی کرنے لگے۔

یورپ میں اسلامی تہذیب پہنچانے والے مراکز

اسلامی تہذیب وتمدن کو یورپ تک پہنچانے والے مراکز تین تھے۔ (۱) اسلامی اندلس (۲) شام اور (۳) اطالیہ وصقلیہ۔ اس میں بڑا حصہ اندلس والوں کا ہے۔ مسلمانوں نے اندلس میں جو مادی وثقافتی

ترقیاں کیں اس کا لازمی نتیجہ اندلس کی خوشحالی اور سماجی اطمینان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بعد میں اگرچہ اہل یورپ نے اندلس پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو اسپین سے نکال دیا لیکن وہ ان کے تہذیب و تمدن کے آثار کو نکال نہ دے سکے۔ چنانچہ اندلس کی تہذیب و ثقافت نے جو اسلامی تہذیب و ثقافت کی روح سے سرشار تھی یورپ کی زندگی کے ہر گوشہ کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اس اثر اندازی کی ایک وجہ تو خود اسلامی تہذیب میں ہمہ گیریت اور آفاقیت کا رجحان تھا، دوسرے عیسائیوں اور مسلمانوں کے مشترکہ معاملات، کاروبار اور معاشرت بھی بڑی حد تک اس اثر اندازی کا ایک سبب بنے، خصوصاً وہ عیسائی جو مسلمانوں کے غلام یا ان کے خادم تھے، آزاد ہو کر یا ملازمت ترک کر کے واپس جاتے تو ان کے نام مسلمانوں جیسے ہو جاتے، ان کا رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا اور گفتگو کا طریقہ بالکل مسلمانوں کا سا ہوتا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کا آزادانہ ایک دوسرے سے ملنا جلنا ہوتا اسپین کے مسلمان تاجر خشکی اور سمندر دونوں راستوں سے مختلف یورپی ملکوں میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمانوں کا برآمد کردہ مال عیسائی دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں وینس، روم اور ایتھنز وغیرہ میں بڑے شوق سے خریدا جاتا۔ روزمرہ کے اس لین دین اور میل جول کے ذریعے مسلمان تاجر اور سوداگر اپنے عیسائی خریداروں کو عرب طور طریق اور اسلامی طرز معاشرت سے آگاہ کرتے رہتے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان آپس میں شادیوں کے ذریعے بھی انتقال ثقافت ہوتا رہتا۔ اندلس کے نہ صرف نچلے طبقے میں بلکہ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے کے مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں بھی آپس میں شادیاں ہوتی تھیں۔

علمی میدان میں مسلمانوں کے تفوق نے بھی اس تاثیر میں قوت پیدا کی۔ قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ اور اشبیلیہ کی اسلامی جامعات یورپ کے ازمنہ متوسط میں دنیا کے اہم ترین و مشہور ترین مراکز تعلیم میں شمار ہوتی تھیں جن میں افریقہ، ایشیا اور یورپ کے مختلف ملکوں کے طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دسویں صدی شمسی میں یہ کیفیت تھی کہ یورپ کے کسی شخص کو جو اعلیٰ تعلیم کا خواہش مند ہو تکمیل کے لئے اندلس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ گیارھویں صدی کے اواخر اور بارھویں صدی کے اوائل میں یورپ والوں میں علمی امنگیں بیدار ہونا شروع ہوئیں اور یورپ کے بعض ترقی پسندوں کے دل میں جہالت کی تاریکیوں سے نکلنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے زمانے کی مہذب ترین دنیا کے مسلّمہ استادوں (یعنی مسلمانوں) سے رجوع کیا۔ رئیس الاساقفہ ریمانڈ کی سرپرستی میں ایک دارالترجمہ قائم ہوا۔ اور عربی تصانیف کا مختلف یورپی زبانوں میں ترجمہ شروع ہوا، جن مسلمان مصنفین نے

یورپ پر سب سے زیادہ گہرا علمی اثر چھوڑا وہ ابوبکر زکریا الرازی، ابن سینا، الفارابی، ابن رشد الحفید، امام غزالی، ابن خلدون، ابن الہیثم، جابر بن حیان، ابن مسکویہ اور ابن باجہ وغیرہ تھے۔ اس زمانے میں مشرقی اسلامی ممالک اور اسلامی اندلس کے سوا دنیا بھر میں کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں علوم و فنون کا حاصل کرنا ممکن ہو اور علمی اور فنی تحقیقات سے دلچسپی رکھنے والوں کی سہولت کے لئے کتب خانوں، رصدگاہوں، تجربہ گاہوں وغیرہ کا انتظام موجود ہو۔

اسلامی ثقافت کے اثرات کو یورپ منتقل کرنے کا دوسرا راستہ ملک شام تھا، جہاں سے مسلمانوں کے تجارتی قافلوں اور صلیبی جنگوں کے ذریعے یورپ نے مسلمانوں سے بہت کچھ حاصل کیا، صلیبی جنگیں مسلسل دو صدیوں تک جاری رہیں۔ اس دوران اسلامی اور یورپی افواج کو ایک دوسرے کے بالمقابل رہنے کی وجہ سے باہمی مفاہمت کے قریبی مواقع ملے۔ یورپ والوں کو اسلامی اخلاق اور مسلمانوں کے سیاسی اور فوجی امور سے واقفیت حاصل ہوئی۔ سلطان صلاح الدین اور رچرڈ کی جنگوں میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح یورپ نے مسلمانوں سے اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم حاصل کی۔ اہل یورپ نے مشرق میں آکر ایک زبردست اور پرشکوہ تہذیب کا مشاہدہ کیا جس نے انہیں مبہوت کر دیا۔ انھوں نے عربوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی برتری سے متاثر ہو کر اپنے علاقوں میں واپسی پر وہاں نئے جذبات سے اصلاحات کی جدوجہد شروع کر دی۔

صلیبی جنگوں نے مسیحیوں کو بردباری اور رواداری کے اسباق سکھائے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اہل یورپ کے ساتھ جس فیاضی کا برتاؤ کیا وہ اسلامی تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ دوسری طرف عیسائیوں کے تعصب اور عدم رواداری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب انھوں نے پہلی مرتبہ بیت المقدس پر قبضہ کیا تو مسجد اقصیٰ میں پناہ گزین ستر ہزار سے زائد امن پسند اور غیر جنگجو مسلمانوں کو بلا وجہ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ڈاکٹر تھامس آرنلڈ نے اعتراف کیا ہے کہ بیت المقدس میں مسلمانوں کا خون اس طرح بہہ رہا تھا کہ جب عیسائی فوجیں شہر میں گشت کے لئے نکلیں تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں گھٹنوں مسلمانوں کا خون دریا کی طرح موج زن تھا۔

صلیبی جنگوں کے ذریعے اسلامی تہذیب و تمدن کے جو اثرات یورپ پہنچے وہ زیادہ تر مادی نوعیت کے تھے معنوی اور علمی پہلو ان میں بہت کم تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ صلیبی جنگوں میں لڑنے

کے لئے جو سپاہی یورپ سے آتے اور اسلامی اثرات کو اپنے ساتھ واپس یورپ لے جاتے تھے وہ نہ تو علمی وثقافتی صلاحیتوں کے مالک تھے، نہ ان کی طبیعتیں اس طرف مائل تھیں۔ صلیبی جنگوں کے علاوہ شام، اور ترکی سے گزر کر یورپ جانے والے مسلمان تاجروں اور سوداگروں نے بھی اس سلسلے میں بڑی خدمات انجام دیں، یہ لوگ یورپ کے دُور دراز ملکوں میں اسلامی ممالک کی مصنوعات لے کر جاتے اور نہ صرف اسلامی ملکوں کی خارجی تجارت اور درآمد و برآمد کی ترقی میں معاون ہوتے بلکہ وہاں اسلامی تہذیب وتمدن کو بھی متعارف کراتے، بحیرۂ بالٹک کی ریاستوں ڈنمارک، سوئیڈن اور ناروے کے مختلف مقامات سے عربی ملکوں اور عربی مصنوعات کی برآمد اور دریافت سے عرب تاجروں کے کاروبار کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اسلامی ثقافت کے اثرات کو یورپ منتقل کرنے کا تیسرا اہم راستہ صقلیہ اور جنوبی اطالیہ تھے یہاں سے مسلمان تاجروں، علماء، طلباء اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین یورپ کے مختلف ملکوں میں آتے جاتے رہتے تھے، اسی طرح دوسرے قریبی یورپی ملکوں سے بھی لوگوں کی صقلیہ آمدورفت قائم تھی، جس کی وجہ سے اسلامی تہذیب کی کرنیں یورپ کے تاریک علاقوں پر پڑ رہی تھیں۔ خود صقلیہ بھی اسلامی تہذیب وتمدن کا بہت بڑا مرکز تھا جہاں سے اسلامی تہذیب آگے بڑھ رہی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے صقلیہ کے مرثیہ میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے:-

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوننابہ بار + وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی + بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شاہنشاہوں کے درباروں میں تھے + بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے + کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے؟

ان تین مراکز کے ذریعے اسلامی ثقافت کے اثرات تقریباً سات سو سال تک آہستہ آہستہ یورپ منتقل ہوتے رہے، یورپ کی تمدنی وثقافتی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جو اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی ثقافت سے متاثر نہ ہوا ہو۔ ہم یہاں چند ایسے پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں جن پر اسلامی اثرات نسبتاً زیادہ گہرے، واضح اور نمایاں ہیں۔

یورپی زبانوں پر عرب کے اثرات یوں تو مغربی اور جنوبی یورپ کی بیشتر زبانوں

پر عربی زبانوں کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں لیکن سب سے زیادہ اثر ہسپانوی، پرتگالی اور اطالوی زبانوں نے قبول کیا، ہسپانوی زبان میں اب تک بکثرت الفاظ پائے جاتے ہیں۔ شہروں، دریاؤں اور اندلس کے بہت سے مقامات کے نام اور بیشتر علمی اصطلاحات عربی ہی ہیں، روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھنے والے بے شمار ہسپانوی الفاظ عربی الاصل ہیں۔ پیشۂ تجاری سے متعلق ہسپانوی اصطلاحات عربی ہیں۔ پروفیسر جے۔ بی ٹرینڈ نے اپنے مقالے "ہسپانیہ اور پرتگال" (مندرجہ میراث اسلام مرتبہ سر تھامس آرنلڈ و الفریڈ گیام) میں بہت سے ایسے الفاظ مثال کے طور پر پیش کئے ہیں جو عربی سے مشتق ہیں۔ ان میں سے چند الفاظ یہ ہیں:- ۱- TAHONA یعنی نان بائی کی دکان، اصل عربی لفظ طاحونة ہے۔ ۲- LA ACCEQIA یعنی نہر، اصل عربی لفظ الساقیة ہے۔ ۳- ALCOBA یعنی گنبد، اصل عربی لفظ القبہ ہے۔ ۴- AL MOHDA تکیہ، اصل عربی لفظ المخدّہ ۵- FULANO وہ آدمی، فلاں شخص، ماخوذ از فلان۔ ۶- ALCALDE میئر، صدر بلدیہ، اصل عربی لفظ القاضی۔ ۷- ADUANA یعنی کسٹم ہاؤس، ماخوذ از الدیوان۔ ۸- ARRDBA ایک پیمانہ، ماخوذ از الربع۔ ۹- JARABE مشروب، ماخوذ از شراب، پہلے اس لفظ کو JARABE کے بجائے XARABE لکھا جاتا تھا اور X کی آواز اسپین میں سترھویں صدی تک ش کی ہوتی تھی۔ ۱۰- HASTA تا آنکہ، ماخوذ از حتّیٰ، یہ فہرست اور بھی طویل ہوسکتی ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار الفاظ ہسپانوی زبان میں ایسے موجود ہیں جن کے شروع میں عربی حرف تعریف (ARTICLE) ال موجود ہے جو ان الفاظ کے عربی الاصل ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ بہت سے ہسپانوی ناموں کے شروع میں بنی کا لفظ پایا جاتا ہے جو خالص عربی ہے، یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ ہسپانوی زبان بولنے والے لوگ اب تک عربی کا فقرہ انشاء اللہ اس کی بگڑی ہوئی شکل میں اکثر بولتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہسپانوی زبان کے اندازاً ایک چوتھائی الفاظ عربی سے ماخوذ ہیں۔ یہی حال پرتگالی زبان کا ہے جس میں عربی کے تقریباً تین ہزار الفاظ موجود ہیں اور ان میں سے بیشتر عربی حرف تعریف ال سے شروع ہوتے ہیں۔ مشہور مستشرق انگلمان نے اس موضوع پر ایک مستقل لغت لکھا ہے جس میں ہسپانوی اور پرتگالی زبانوں کے وہ تمام مفردات جمع کر دیئے ہیں جو عربی سے مشتق ہیں۔ پرتگالی اور ہسپانوی زبانوں کے واسطے سے عربی کے اثرات فرانسیسی، اطالوی، جرمن اور انگریزی زبانوں تک

پہنچے۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں بھی ہسپانیہ اور پرتگال کے لوگ جاکر آباد ہوئے انھوں نے وہاں کی زبانوں میں عربی اثرات منتقل کئے۔ چنانچہ آج کل بھی برازیل، ارجن ٹائن اور دوسرے جنوبی امریکائی ملکوں میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں وہ اپنی تعبیر، مترادفات اور ضرب الامثال وغیرہ میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں عربی سے نسبتہً زیادہ قریب ہیں۔ عربی زبان کا اثر ونفوذ محض لاطینی زبانوں تک محدود نہیں رہا بلکہ قدیم گالی، ہالینڈی، اسکینڈی نیوی، روسی، پولینڈی اور دوسری زبانوں میں بھی بہت سے عربی الفاظ ملتے ہیں۔

یورپ پر عربی شاعری اور فنون لطیفہ کا اثر

عربوں نے مغرب واندلس میں جو شعری روح پھونک دی تھی اس سے ان تمام لوگوں کے دلوں میں شعروشاعری کے لئے فریفتگی پیدا ہو گئی جو عربی میں مہارت رکھتے تھے اور عربی میں شعر کہہ سکتے تھے، اس وقت تک بہت سی یورپی اقوام نے شعروشاعری میں ترقی نہیں کی تھی۔ عربوں کے عروج کے زمانہ تک یورپ میں کوئی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا تھا جو اپنی شاعری کے ذریعے اپنی قوم کو سربلند کرتا اور اس کے بلند کارناموں کو نظم کر کے انھیں دوام بخشتا، ان کی شاعری کا تمام سرمایہ کچھ گانے اور چند گیت تھے اور وہ بھی بالکل عامیانہ اور سطحی، یہ عرب ہی تھے جنھوں نے اقوام یورپ کو بالعموم اور لاطینی اقوام کو بالخصوص شعر کے معنی بتائے اور ان کو سمجھایا کہ حقیقی شاعری کیا ہوتی ہے۔ یورپ نے عربی شاعری کی وہ تمام اصناف قبول کرلیں جو ان کے مذاق کے مطابق اور ان کی عام تمدنی روح سے ہم آہنگ تھیں، شاعری کے علاوہ دوسری اصناف ادب مثلاً رزم وبزم، عشق ومحبت، حسن وجمال اور شہسواروں کی داستانوں کو بھی انھوں نے اپنایا۔ اہل اسپین کے تاریخی قصائد، ہسپانوی عربوں کی ایجاد کردہ صنف شاعری "موالیہ" سے ماخوذ یا ترجمہ ہیں، جن میں ان کے تیوہاروں، سانڈوں کی لڑائیوں اور شہسواروں کے رقص کا ذکر ہوتا تھا۔ اسپین کے اصل باشندوں نے ان میں سے کوئی چیز بھی پندرھویں صدی سے قبل پیدا نہیں کی، عربوں کی اس خوش ذوقی نے ان کو یورپ بھر میں مشہور کر دیا تھا۔

اسپین میں اشراف وسلاطین نے بھی شاعری شروع کر دی تھی۔ سلاطینِ اسپین میں عبدالرحمٰن اوّل، ابوعبداللہ اور معتمد بحیثیتِ شاعر مشہور ومعروف ہیں۔ عبدالرحمٰن اوّل کی نظم جو اس نے اندلس میں پہلے کھجور کے درخت لگاتے وقت اور معتمد کی نظم "قید خانے کی فریاد" کا علامہ اقبال نے آزاد منظوم

ترجمہ بھی کیا ہے جو بال جبریل میں بالترتیب صفحہ ۱۲۷-۱۲۸ پر موجود ہے۔ اشراف وسلاطین کی تقلید میں نصرانی پادریوں تک نے عربی تہذیب اپنالی تھی، ان میں عربی ادب کا ذوق عام تھا اور وہ فصیح عربی میں شعر کہنے لگے تھے۔ پاپائے روم سلفرڈ دوم عربی میں عربی وزن اور قافیے کے مطابق قصائد کہا کرتا تھا۔ سسلی کے بادشاہ فریڈرک ثانی نے عربی میں بہت سے قطعات کہے تھے، اس نے اپنے دربار میں بہت سے مسلمان علماء و فضلاء جمع کئے تھے وہ ان کے ذریعے اپنے ملک میں بھی عربی زبان وادب اور عربی علوم کو وہی فروغ دینا چاہتا تھا جو ان علوم کو دمشق، بغداد، قرطبہ اور اشبیلیہ میں حاصل تھا۔ یورپی ادب پر اسلامی اور مشرقی ادبیات کے اثرات کا سب سے بہتر نمونہ ڈانٹے کی طربیہ ایزدی DIVINE COMEDY، گوئٹے کے دیوان مغربی وغیرہ میں مل سکتا ہے۔ مسلمانوں میں مروّجہ روایات معراج، ابوالعلاء المعرّی کی کتاب الغفران اور شیخ محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر ڈیوائن کامیڈی پر نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ طربیۂ ایزدی کا مصنف اپنے افکار وخیالات کہاں سے حاصل کرتا ہے۔ یہی حال یورپی ادب کے کم وبیش تمام قدیم شاہکاروں کا ہے۔ اس کے علاوہ نہ صرف ادبیات میں بلکہ دوسرے علوم وفنون میں اہل یورپ نے مسلمانوں سے بے حد وحساب استفادہ کیا ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی تک کسی ایسے غیر مسلم یورپی مصنف کا حوالہ دینا ممکن نہ تھا جس نے عربوں کے سامنے زانوئے تلمذتہ نہ کیا ہو۔ اس دور کے جلیل القدر یورپی علماء راجر بیکن، سینٹ تھامس ایکوئناس، ریمان لی۔ البرٹ دی گریٹ اور الفانس دہم وغیرہ سب کے سب یا تو مسلمانوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصانیف کے نقال تھے۔ راجر بیکن نے فارابی سے، البرٹ اعظم نے ابن سینا سے اور سینٹ تھامس ایکوئناس نے امام غزالی اور ابن رشد الحفید سے جس قدر استفادہ کیا ہے وہ ان لوگوں کی نظر سے مخفی نہیں جنہوں نے مسلم اور یورپی فلسفوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔

یورپی طرز تعمیر پر عربوں کا اثر

تمدنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کی طرح اس پہلو سے بھی یورپ نے مسلمانوں سے کچھ کم اثر قبول نہیں کیا۔ یورپی طرز تعمیر پر عربی طرز تعمیر کے گہرے اثرات کا اعتراف مشہور فرانسیسی مصنف موسیو لیبان نے بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے "عربوں کا اثر یورپ کے فنون وحرفت پر اور علی الخصوص طرز تعمیر پر بیّن اور بلا شبہ ہے"۔ فن تعمیر میں مسلمانوں کی برتری کی مثال وہ عالی شان عمارات ہیں جو قرطبہ، دہلی، قاہرہ

اور استنبول وغیرہ میں موجود ہیں۔ اس طرز تعمیر نے یورپی طرز تعمیر پر اس قدر گہرا اثر ڈالا ہے کہ قاہرہ کی مساجد کے میناروں اور اٹلی کے گرجاؤں کی عمارتوں کا موازنہ حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے، نہ صرف اٹلی بلکہ تمام یورپ کی اکثر قدیم عمارتوں کو اگر دیکھا جائے تو عربی طرز تعمیر کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ موسیو گستاؤ لیبان اپنی کتاب "تمدن عرب" (صفحہ ۵۱۹) میں کہتا ہے "یورپ کا گاتھک GOTHIC طرز تعمیر اگرچہ آج اس شکل میں آ گیا ہے کہ اس میں اور عربی طرز تعمیر میں کوئی واضح مشابہت باقی نہیں رہی لیکن ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یورپ نے عربوں سے بہت کچھ تعمیر کی باریکیاں حاصل کی ہیں۔"

مسلمان اپنی مساجد اور دوسری عمارات کو خوشخط قرآنی آیات اور عربی ابیات وعبارات سے آراستہ کیا کرتے تھے۔ عیسائیوں نے بھی ان کو دیکھ کر کلیساؤں کو اس طرح مزیّن کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت سے پرانے عیسائی گرجاؤں میں عربی تحریرات کندہ پائی جاتی ہیں۔ نویں صدی شمسی تک کوفی حروف یا ان کے مشتقات یعنی قرمطی یا مستطیل کوفی حروف کتبوں میں مستعمل رہے ہیں۔ ان کتبات میں اکثر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ بہت سے کتبات پر بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم اور لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ بھی تحریر ہے۔ عربی حروف اس قدر خوب صورت سمجھے جاتے تھے کہ ازمنۂ متوسط میں عیسائیوں تک نے اپنی مقدس عمارات میں ان نمونوں کو جو ان کے ہاتھ لگے، محض آرائش سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ کلیسائے سینٹ پیٹر کے اس دروازے پر جہاں پوپ یوژین چہارم کا مجسمہ نصب ہے وہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شبیہ کے گرد عربی حروف کا ہالہ بنا ہوا ہے۔ مزید برآں سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے کپڑوں پر بھی ایک ایک سطر عربی عبارت کی منقوش ہے۔ [۵]

یورپ کے اخلاق پر عربوں کا اثر

اہل یورپ کے اخلاق وعادات پر مسلمانوں کے اثرات کا صحیح صحیح اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کی آمد سے قبل ان کے اخلاق وعادات کو سامنے رکھ کر مسلمانوں سے میل جول اور ربط وضبط کے بعد ان کی اخلاقی حالت کا جائزہ لیا جائے۔ قریب قریب تمام ہی منصف مزاج یورپی مصنفین نے اعتراف کیا ہے کہ جدید یورپ نے تحمل، رواداری، بردباری، احترام نسواں،

بہادرانہ اخلاق اور دوسری خوبیاں مسلمانوں سے سیکھی ہیں۔ موسیو لیبان نے لکھا ہے: "مسلمانوں ہی سے ملنے جلنے کی بدولت یورپ کے عیسائیوں نے اپنی وحشیانہ معاشرت چھوڑ کر بہادرانہ اخلاق اپنائے جس میں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کا پاس، قسم کی پابندی وغیرہ شامل ہے۔ جنگ صلیبی کے بیان میں ہم دکھا چکے ہیں کہ ان امور میں یورپ کے عیسائی مشرق کے مسلمانوں سے کس قدر پیچھے تھے" ایک اور بہت بڑے مذہبی مصنف موسیو بارتھے لیمی سینٹ ہلیئر نے اپنی کتاب متعلقہ قرآن میں لکھا ہے: "عربوں کی معاشرت اور ان کی تقلید نے ہمارے ازمنۂ متوسطہ کے امراء کی زبوں عادتوں کو درست کیا اور یہ سردار بلا اس کے کہ ان کی بہادری میں فرق آتا ایسے اخلاق سیکھ گئے جو انسان میں اعلیٰ درجہ کی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ یہ امر نہایت مشکوک ہے کہ صرف عیسوی مذہب وہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو ان میں یہ اخلاق پیدا کر سکتا تھا۔"[۵] لیبان اور بارتھے لیمی کے علاوہ یورپی علماء میں سے اوروں نے بھی یورپی اخلاق پر اسلامی اثرات کا اعتراف کیا ہے۔ والفضل ما شهدت به الاعداء۔

ان چند پہلوؤں کے علاوہ تمدنی و ثقافتی زندگی کے اور بھی بہت سے شعبے ایسے ہیں جن میں اہل یورپ پر عربی اثرات کی چھاپ بہت گہری اور نمایاں ہے مثال کے طور پر کتابوں کی جلد سازی اور آرائش کے فن میں مسلمان پہلے بھی سب سے آگے تھے اور اب بھی سب سے آگے ہیں۔ مسلمانوں ہی سے اہل یورپ نے آرائش کتب کا فن سیکھا۔ اسی طرح آرائش خط میں بھی مسلمان ہمیشہ سے سب سے آگے رہے۔ مسلمانوں کے مختلف خطوط کا اثر یورپی خطوط پر گوتھک رسم الخط اور عربی خطوط خصوصاً خط کوفی کا موازنہ کرنے سے ملتا ہے۔

آج تقریباً دنیا کے ہر ملک میں بڑے بڑے باغات اور سیرگاہوں میں کتب خانے اور مطالعہ گاہیں قائم کرنے کا رواج ہے، اس کی طرح بھی سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے اندلس، بغداد وغیرہ میں ڈالی تھی۔

یورپی تہذیب و تمدن کے یہ چند گوشے ہیں جنہوں نے اسلامی اثرات سے گہرا استفادہ کیا ہے قوموں کی تہذیبی و تمدنی تاریخ میں ہمیشہ ایسا ہوتا چلا آیا ہے، جب سے یہ دنیا قائم ہے ایک قوم دوسری قوم سے کچھ نہ کچھ سیکھتی اور اسے کچھ نہ کچھ سکھاتی رہی ہے۔ خود مسلمانوں نے یونانی اور ایرانی تہذیبوں سے بہت کچھ اخذ کیا۔ تہذیب و تمدن کوئی جامد قدر نہیں کہ ہمیشہ ایک حالت پر قائم

رہے، ہر تہذیب اپنے بنیادی عقائد کو محفوظ رکھتے ہوئے دوسری تمام تہذیبوں سے اپنے مذاق کے مطابق استفادہ اور اخذ و قبول کرتی رہتی ہے، لہٰذا یہ ہر دم متغیر بھی ہے اور غیر متغیر بھی، اثر انداز بھی ہے اور اثر پذیر بھی۔ مثال کے طور پر آج ہمارے سامنے جدید یورپی تہذیب و تمدن اپنی خیرہ کن چمک دمک کے ساتھ جلوہ ساماں ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے ہاں مختلف قسم کا ردّ عمل پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ اس سے متعدی مریض کی طرح دُور رہنا چاہتے ہیں، کچھ اس میں اس طرح گم ہو جانا چاہتے ہیں کہ بقول امیر خسرو ؎

من تن شدم تو جان شدی من جان شدم تو تن شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ابھی تک کچھ فیصلہ نہیں کر سکے کہ کیا کریں مذبذبین بین ذلک، لا الی ھولاء ولا إلی ھؤلاء، لیکن صحیح رویہ جو ہم کو ایک مسلمان کی حیثیت سے اختیار کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہم ہر چیز کو اپنے اصولوں پر جانچ لیں اور "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اسلامی اصول پر عمل کرتے ہوئے ہر صحیح کو قبول کر لیں اور سقیم کو رد کر دیں اس لئے کہ الحکمۃ ضالۃ المؤمن انی وجدھا فھو أحق بھا۔

حواشی و حوالہ جات

۱؎ مولانا شبلی نعمانی، شعر العجم، جلد اوّل صفحہ اوّل۔

۲؎ یورپ کی تمدنی حالت کے متعلق یہ اور اس کے بعد والے تینوں پیرے مختلف کتابوں سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ کتابوں کے نام یہ ہیں:- الاسلام والحضارۃ الاسلامیۃ از محمد کرد علی، تاریخ یورپ از اے۔ جے۔ گرانٹ، A BRIEF SURVEY OF MEDIAEVAL EUROPE از کارل اسٹیفنسن، بالخصوص اس کتاب کے آخری چار ابواب۔ تمدن عرب از موسیو گستاؤلی بان، جا بجا۔

۳؎ یہ اقتباس پکتھال صاحب کی کتاب ISLAMIC CULTURE سے ماخوذ ہے۔

۴؎ علامہ اقبال، بانگِ درا، حصہ دوم، صفحہ ۱۴۱۔ ۵؎ محمود بریلوی۔ فیضانِ اسلام۔

۶؎ لیبان اور بارتھے کے یہ اقتباسات اور لیبان کے دوسرے تمام اقتباسات لیبان کی کتاب تمدن عرب مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی سے ماخوذ ہیں۔